بسم الله الرحمن الرحیم

خمس کے بارے میں ایک تحقیق

اور اس پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات

مؤلف:

حسین رجبی

مترجم:

سید احمد حسین شہریار

کتاب کا نام : خمس کے بارے میں ایک تحقیق اور اس پر ہونے والے
اعتراضات کے جوابات
مؤلف : حسین رجبی
مترجم : سید احمد حسین شہریار
مصحح : سید مبین حیدر رضوی
پبلشر : موسسہ فرہنگی ہنری مشعر
ایڈیشن : فروری ۲۰۱۵ء
تعداد :
قیمت :
مشعر کے ہول سیلرز:
تہران : ٹیلیفون نمبر : ۶۴۵۱۲۰۰۳ ـ ۰۲۱
قم : ٹیلیفون نمبر : ۳۷۸۳۸۴۰۰ ـ ۰۲۵

فہرست

مقدمہ ۶

شکوک و شبہات کا بیان..... ۹

کمائی پر خمس کے اطلاق کا انکار کرنے والوں سے چند سوالات... ۹

قرآن اور سنت کی روشنی میں خمس کا بیان: ۱۴

پیغمبرؐ کے زمانے میں خمس کا بیان: ۲۳

خمس اور اس کی حلیت (حلال ہونا): ۲۵

خمس اور زکات کن لوگوں کو ملنا چاہیے؟ ۲۹

خمس کے مصرف کے بارے میں: ۳۰

فقہاء کے اقدامات کی توسیع ۳۷

۱۔ دینی مدارس اور گروہوں کا تحفظ: ۳۷

۲۔ دین اور آئین اسلام کی تبلیغ: ۳۷

۳۔ محروم اور مجبور لوگوں کی امداد: ۳۸

بحث کا خلاصہ: ۳۸

مقدمہ

ہر مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے دین کے بارے میں بالعموم اور شرعی احکامات کے بارے میں بالخصوص علم حاصل کرے۔ اس بارے میں اس کا علم کافی حد تک ہونا چاہیے تاکہ وہ نہ صرف یہ احکامات درست طور پر بجا لاسکے بلکہ ان احکامات پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دینے کی صلاحیت بھی پیدا کرلے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لوأتیت بشاب من شباب الشیعة لا یتفقه فی الدین لادبته[1]

ترجمہ: اگر میں شیعہ نوجوانوں میں سے کسی کو دیکھتا کہ وہ اپنے دین کو سمجھنے کے درپے نہیں تو میں اس کو تنبیہ کرتا۔"

اس حدیث کے ذریعے امام صادق علیہ السلام نے ہم سب پر عائد ہونے والی ذمہ داری کی وضاحت فرمائی ہے۔ ساتھ ہی ہمیں اس بات سے بھی آگاہ فرمایا ہے کہ ہمیں دشمن کے پروپیگنڈوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ ظاہر سی بات ہے کہ اگر ہم کسی دلیل اور جواز کے بغیر اپنے دین اور شرعی ذمہ داریوں کا انتخاب کریں گے تو ان ذمہ داریوں پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دینے سے قاصر رہ جائیں گے۔ مزید یہ کہ اس کا بھی قوی امکان ہے کہ ہم سامنے سے ہونے والے اعتراضات اور شبہات کا اثر قبول کرلیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے دین اور مذہب کو دلائل کی بنا پر سمجھیں۔

۱۔ المحاسن، برقی، ج۱، ص ۲۲۸

آج ہم اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں مختلف حربوں اور ذرائع (کتابوں کی اشاعت، کتابچوں، انٹرنیٹ اور ویب سایٹ وغیرہ) سے دین اور مذہب کے بنیاد کے بارے میں سوالات اور اعتراضات کا اظہار کیا جارہا ہے۔ اسلام پر ہونے والے یہ اعتراضات یا تو عیسائیت، یہودیت اور اسلام مخالف عناصر کی طرف سے ہوتے ہیں یا پھر ان وہابیوں کی طرف سے جنہوں نے گذشتہ چند برسوں میں مختلف کتابوں اور کتابچوں کی اشاعت کو فروغ دے کر اور ان کتابوں کو مسلمانوں اور خانہ خدا کی زیارت سے مشرف ہونے والے حاجیوں تک پہنچا کر عام مسلمانوں بالخصوص شیعہ نقطہ نظر کی توہین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ ہم نے ہمیشہ اپنے دین کے بارے میں پوچھے جانے والے سوالوں کا استقبال کیا ہے کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ شیعہ علماء کو ہمیشہ سے ایسے حربوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور ہمارے علماء نے ،سعہ صدر کے ساتھ بغیر کسی کی دل آزاری کے،ان اعتراضات اور سوالات کے منطقی جوابات فراہم کئے ہیں اور اس کام میں کبھی دوسرے کے مذہبی عقائد کی توہین نہیں کی اور گالم گلوچ کا سہارا نہیں لیا۔

اس کی مثال علامہ امینی کی کئی جلدوں پر مشتمل معتبر کتاب "الغدیر" ہے۔ کوئی بھی علم رکھنے والا شخص حتی کہ وہابی علماء بھی اگر انصاف سے کام لیں اور صحیح فیصلہ کریں تو انہیں ماننا پڑے گا کہ اس کتاب کے مطالعے کے ساتھ ہی ان پر تمام بہانوں اور اعتراضات کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتے ہیں۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اپنے مذہبی علماء کی طرح، ان کی پیروی کرتے ہوئے شیعہ زائرین اور نوجوان بھی اپنے مذہب کے بارے میں پوچھے جانے والے سوالات کا استقبال کرتے ہیں اور ان سوالات پر غور وخوض کے بعد ان کے مناسب جوابات دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ خود اس کام پر قادر نہ ہوں تو اپنے دیگر علماء کی کتابوں سے رجوع کرنے کے بعد ان کے جوابات فراہم کرتے ہیں لیکن کسی طرح ان اعتراضات

کے دھوکے میں نہیں آتے! کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخالفین علمی بحثوں کی بجائے اپنے سوالات کی بنیاد جھوٹ اور مغالطہ آمیز باتوں پر رکھتے ہوئے کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور زائرین کی سوچ کو تبدیل کردیں تاکہ اپنی سوچ کے قالب میں ڈھال سکیں۔ اس صورت میں بھی ہمیں چاہیے کہ ہم انتہائی ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے ان کی تحریروں سے مخاطبین کو آگاہ کریں اور انہیں ان تحریروں کے نقصان دہ اثرات سے بچانے کی پوری سعی کریں۔

وہابیوں کی طرف سے ہونے والے اعتراضات میں سے ایک اعتراض خمس کے بارے میں ہے، وہ بھی ذاتی کمائی پر خمس کے اطلاق کے بارے میں۔ اس موضوع سے متعلق وہ اپنے گمراہ کن اور مغالطہ آمیز سوالات کے ذریعہ سے یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ انتہائی غیر مدلل بات ہے کہ شیعہ اپنی کمائی پر خمس کا اطلاق کرتے ہیں۔ اس کام سے ان کا مقصد اپنی دانست میں اپنے اصلی اہداف تک پہنچنا ہے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ شیعہ مذہب کی حفاظت ہمیشہ ایسے علماء اور فقہاء نے کی ہے جو انتہائی محنت کش تھے اور اپنی زندگیاں نہایت سادگی اور تقوا و پرہیزگاری کے عالم میں گزاریں اور جنہوں نے مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا بڑی دلیری سے کرتے ہوئے صرف خمس سے حاصل ہونے والی آمدنی پر اکتفاء کرتے ہوئے شیعہ مذہب کو تمام گمراہیوں سے دور رکھا۔

وہی شیعہ مذہب جو آج دنیا میں خالص اسلامی تعلیمات سے بہرہ مند تمام مذاہب سے زیادہ منطقی اور خالص اسلامی تعلیمات سے مزین ایسا مذہب ہے جس نے پوری دنیا کو اپنی طرف مجذوب کر رکھا ہے۔

ہم اس تحریر میں خمس کے بارے میں وہابیوں کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کے جوابات دینے کی سعی کریں گے۔ خدائے عظیم سچائی تک رسائی کے راستے میں تمام مسلمانوں کی مدد کرے!

شکوک و شبہات کا بیان

سعودی عرب کے وہابیوں کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب میں چند سوالات و اعتراضات موجود ہیں۔ ہم یہاں ان اعتراضات کا خلاصہ اور پھر ان کے جوابات پیش کریں گے۔

۱۔ قرآن اور سنت میں کمائی پر خمس لاگو ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں!

۲۔ شیعہ فقہاء کی نظر میں کمائی پر خمس واجب نہیں بلکہ مستحب ہے!

۳۔ اس کی کیا دلیل ہے کہ خمس صرف فقہاء کے حوالے کرنا چاہیے؟

۴۔ روایات میں ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے اپنے پیروکاروں کو خمس کی ادائیگی سے معاف فرمایا ہے!

کمائی پر خمس کے اطلاق کا انکار کرنے والوں سے چند سوالات:

خمس کے مسئلے کے تنقید و تجزیے سے پہلے، یہاں ہم ان وہابیوں سے جنہیں خمس پر اعتراض ہے، چند سوالات پوچھنا چاہیں گے تاکہ بعد میں ان کے پوچھے گئے سوالات کے جوابات دینے میں آسانی ہو۔ ایسے لوگ جب کمائی پر خمس کے اطلاق کے مسئلہ پر ہمیں اعتراض اور تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، تو شاید بھول جاتے ہیں کہ اس طرح تجارتی اموال پر زکات کے اطلاق کے مسئلہ پر خود بھی اس اعتراض اور تنقید کی زد میں آجاتے ہیں۔ یہاں ہم اپنے چند اعتراضات کو سوال کے طور پیش کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ آپ لوگوں کا کہنا ہے کہ کمائی پر خمس کے اطلاق سے متعلق قرآن اور سنت میں

کوئی دلیل موجود نہیں۔ ہم تجارت کے مال پر زکات کے اطلاق اور تجارتی اور غیر تجارتی سرمایے پر سود کے بارے میں یہی سوال آپ سے پوچھتے ہیں۔

آپ کس دلیل کی بنا پر لوگوں پر اپنے تجارتی اموال سے زکات دینے کو لازمی قرار دیتے ہیں؟

اس بات کا ذکر قرآن اور سنت میں کہاں آیا ہے کہ لوگوں پر اپنے تجارتی اموال کی زکات دینی واجب ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر روایات میں، جنہیں خود وہابیت بھی مانتی ہے، ذکر ہوا ہے کہ رسول اللہؐ نے گندم، جو، کھجور اور کشمش کی مقدار کے دسویں حصے کو بطور زکات واجب قرار دیا ہے۔ ابن قدامہ نے اپنی کتاب "المغنی" میں دو روایات کا ذکر کیا ہے۔ ابو موسی اور معاذ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ:

"رسول اللہؐ نے ہمیں یمن کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ چار چیزوں یعنی گندم، جو، کھجور اور کشمش کے علاوہ کسی چیز کا صدقہ وصول نہ کرنا۔"

ابن قدامہ جن کا تعلق حنبلی علماء سے تھا اور اپنے فقہی نظریے میں وہابی احمد بن حنبل کے پیروکار ہیں، اس روایت کے بعد کہتے ہیں:

غیر هذه الاربعه لا نص فیها ولا اجماع

ترجمہ: ان چار چیزوں کے علاوہ نہ تو کوئی روایت موجود ہے، نہ اجماع (یعنی مسلمان مجتہدین کا کسی امر پر متفق ہونا) اور نہ علماء کا باہمی اتفاق۔[1] پس آپ اس سوال کا جو بھی جواب دیں گے، وہی جواب ہماری طرف سے خمس کے بارے میں ہوگا۔

۱۔ المغنی فی شرح الکبیر، ج ۲، ص ۵۴۷۔ جیسا کہ زکات اور خمس میں ایک طرح کی شباہت پائی جاتی ہے اس لئے مناسب ہے کہ یہاں پر ان چیزوں کا تذکرہ کیا جائے جن پر زکات واجب ہے: شیعی نقطہ نگاہ سے زکات کا اطلاق نو چیزوں پر ہوتا ہے اور باقی چیزوں پر زکات واجب نہیں ہے بلکہ بعض چیزوں پر زکات مستحب ہے۔

اہل سنت کے نقطہ نظر کے مطابق زکات کا اطلاق پانچ چیزوں پر ہوتا ہے:

۱۔ پالتو جانور (اونٹ، گائے اور بھیڑ) ۲۔ سونا چاندی ۳۔ تجارتی اموال اور سرمایہ ۴۔ کانیں اور خزانے ۵۔ زراعت اور پھل۔ مذکورہ چیزوں کے علاوہ کسی چیز کی زکات نہیں ہے۔ (الفقہ علی مذاہب الاربعۃ، ج ۱، ص ۵۴۱)

البتہ مذکورہ تمام چیزوں پر زکات کی اپنی مخصوص شرائط ہیں۔ مزید معلومات کے لئے فقہی کتابوں سے رجوع کریں۔

ابن قدامہ نے اپنی کتاب "مغنی" میں روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: زکات (کا اطلاق) گندم، جو، کھجور اور کشمش پر (ہوتا) ہے۔

ایک اور روایت میں ہے: (والعشر فی التمر والزبیب والحنطۃ والشعیر) یعنی کھجور، کشمش، گندم اور جو کے لئے بیسواں حصہ ہے۔

موسی بن طلحہ خلیفہ دوم سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: پیغمبر اسلامؐ نے چار چیزوں پر زکات کو واجب قرار دیا: گندم، جو، کھجور اور کشمش۔

ابوبردہ، ابو موسی اور معاذ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: رسول اللہؐ نے ہمیں یمن کی طرف روانہ فرمایا تاکہ ہم لوگوں کو دین سے آگاہ کر سکیں۔

حضورؐ نے فرمایا: (لا یاخذوا الصدقۃ الا من ھذہ الاربعۃ: الحنطۃ والشعیر، والتمر والزبیب)

ان تمام روایات کا بیان دار قطنی نے کیا ہے۔ اس بنا پر ان چار چیزوں کے علاوہ نہ کوئی نص موجود ہے، نہ اجماع اور نہ باہمی اتفاق۔

ابو حنیفہ: زکات ہر اس چیز پر واجب ہے جس کی زراعت زمین کی نشو و نما کا باعث بنتی ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: (فیما سقت السماء العشر) یعنی اس چیز کے لئے جو آسمان اور بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے، ایک درہم ہے۔ (المغنی فی شرح الکبیر، ج ۳، ص ۵۴۷)

ان روایات میں مال تجارت (ایسا مال جو خرید و فروخت سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہو) کا ذکر نہیں آیا جبکہ اہل سنت ایسی زکات کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اہل سنت معادن پر بھی زکات کے اطلاق کو جائز خیال کرتے ہیں۔ وہ مذکورہ چیزوں پر زکات کے اطلاق کی دلیل درج ذیل آیات میں ذکر کرتے ہیں: (فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ *لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ) جن کے اموال میں ایک مقررہ حق معین ہے۔ مانگنے والے کے لئے اور نہ مانگنے والے کے لئے (معارج، ۲۴ – ۲۵) (خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ) آپ ان کے اموال میں سے زکوۃ لے لیجئے کہ اس کے ذریعہ یہ پاک و پاکیزہ ہو جائیں (توبہ، ۱۰۳) (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ) اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے پیدا کیا ہے سب میں سے راہ خدا میں خرچ کرو۔ (بقرہ، ۲۶۷) جب کہ مندرجہ بالا تمام مذکورہ آیات میں ان کے ظاہری پہلو سے استفادہ کیا گیا ہے جن میں زکات کا ذکر ہوا ہے۔ ان آیات میں کہیں بھی زکات کی جزئیات سے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی کہ زکات کن کن چیزوں پر واجب ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ تمام آیات میں تمام چیزوں پر زکات کے واجب ہونے کی بات آئی ہے تو اس کا مطلب ان تمام معتبر احادیث و روایات سے اختلاف کرنا ہے جن میں صرف چار چیزوں پر زکات کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ اہل سنت کے چہارگانہ مذہب میں سے کوئی مذہب بھی تمام چیزوں پر زکات کے واجب ہونے کا قائل نہیں۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں آنے والی شرائط کے ذکر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال و جائداد میں

۲۔ آپ لوگوں نے لکھا ہے کہ اس بات کی کوئی دلیل موجود نہیں کہ خمس صرف فقہاء کے حوالے کرنا چاہیئے۔

ہمارا سوال آپ سے یہ ہے کہ آپ کے تمام دینی مدارس، زکات اور تجارتی سرمایے کے دسویں حصے سے چلائے جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ قرآن اور سنت میں کہاں یہ ذکر آیا ہے کہ سرمایے کا دسواں حصہ علماء اور دینی مدارس کو دینا چاہیئے؟

(بے شک ہمارے پاس اس بات کی دلیل موجود ہے کہ خمس صرف فقہاء کو دینا چاہیئے جس کا بیان آگے آئے گا۔)

۳۔ آپ لوگوں نے لکھا ہے کہ شیعہ علماء کمائی پر خمس کو واجب نہیں سمجھتے۔

یہ صرف ایک جھوٹ ہے اور آپ لوگوں نے یہ کہہ کر شیعہ علماء پر تہمت لگائی ہے کیونکہ تمام علماء خمس (حتی کمائی پر خمس کے اطلاق) کو واجب سمجھتے ہیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بعض علماء ایسے ہیں جو اس عمل کو مستحب خیال کرتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں مستحب عمل انجام دینا ثواب کا باعث نہیں بنتا؟ کیا آپ اپنے مذہب کے مستحب اعمال بجا نہیں لاتے؟ چونکہ فقہی مسائل میں فقہا اور مجتہدین اپنے اجتہاد کی بنیاد پر فتوے جاری کرتے ہیں، اس لئے بعض اوقات کسی مسئلہ پر ان کے مابین اختلاف ہو جاتا ہے بالکل ویسے ہی جیسے آپ کے کئی علماء کے مابین خمس اور زکات کے موضوع پر اختلاف پایا جاتا ہے

سے بعض چیزوں پر زکات دینے کو ضروری نہیں سمجھتے اور ان چیزوں کو زکات کے دائرہ سے باہر تصور کرتے ہیں، جیسے زیورات، جواہرات، سبزیاں، کھیرا، پیاز، لہسن اور انار وغیرہ۔ پس ظاہر ہوا کہ آیات کے عمومی مطلب پر عمل نہیں کیا جاسکتا اور یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا زکات تمام چیزوں پر واجب ہے یا نہیں، سنت سے رجوع کرنا چاہیے۔ اس بارے میں دو مذاہب (اہل تشیع اور اہل سنت) کے درمیان پائے جانے والا اختلاف تجارتی سرمایہ پر زکات کے واجب ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ہے۔ شیعی نقطہ نظر کے مطابق ایسے اموال پر زکات واجب نہیں، جبکہ اہل سنت کے نظریہ کے مطابق یہ ایک جائز عمل ہے۔ جبکہ شیعہ ان چیزوں پر جن پر زکات دینا واجب نہیں یا جن پر زکات دینا واجب ہے، لیکن وہ چیزیں پورے سال کے دوران استعمال ہونے والی چیزوں کے علاوہ ہیں (یعنی پورے سال کے دوران ان کا استعمال نہیں کیا گیا ہے)، خمس کے اطلاق کو واجب قرار دیتے ہیں، جبکہ اہل سنت خمس کے اطلاق کو صرف مال غنیمت اور خزانوں پر جائز خیال کرتے ہیں۔

جن میں بعض کسی چیز پر زکات کے اطلاق کو واجب سمجھتے ہیں جبکہ بعض دوسروں کو اس بات سے اختلاف ہے۔

تو کیا ایسی صورت میں ہم زکات کو ہی مشکوک سمجھنے لگ جائیں؟ کیا یہ ہر مسلمان کا فرض نہیں کہ وہ صرف اسی مجتہد کے فتاوی کے مطابق عمل کرے جس کی وہ پیروی یا تقلید کرتا ہے؟ ایسی صورت میں اگر ایک مجتہد کسی مسئلے کو مستحب جانتا ہے تو اس کے مقلدین بھی اس مسئلے کو بطور مستحب انجام دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر کوئی اور مجتہد اسی مسئلے کی انجام دہی کو واجب قرار دے تو اس کے مقلدین کا فرض ہے کہ وہ بھی اس مسئلے کو ویسے ہی انجام دیں۔

۴۔ شیعہ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جامع الشرائط فقہا امام معصومؑ کی غیر موجودگی (غیبت) میں ان کے جانشین ہیں۔ پس جس طرح پیغمبرؐ کو اپنے دور میں خمس پر مکمل اختیار حاصل تھا اور جس کام میں خمس کا استعمال لازمی ہوتا، وہ اسے خرچ کرتے، اسی طرح ان کی رحلت کے بعد خمس کے حقدار صرف ائمہ اور اہل بیت علیہ السلام قرار پائے جن کی غیبت کے دوران ان سے مربوط ذمہ داریاں علماء اور فقہاء پر عائد ہوتی ہیں۔ اس بنا پر تمام شیعہ لوگوں کو امام علیہ السلام کے حصے (سہم امام) کی ادائیگی کا مسئلہ معلوم ہے۔ یہ بات تمام شیعہ لوگوں بالخصوص جدید نسل کے نوجوانوں کو معلوم ہے کہ تاریخ میں تشیع کا دفاع، اس کی بقاء اور ترویج ہمیشہ فقہاء کی وجہ سے ممکن ہوئی۔

یہ شیعہ فقہاء ہی تھے جنہوں نے وقت کے جابر خلفاء کے ظلم و ستم سے دین کو بچائے رکھا اور اس دین کے وقار اور عظمت کی حفاظت کی، یہاں تک کہ اس دین کو صحیح و سلامت حالت میں جدید نسلوں تک منتقل کیا۔ آج اگر معاشرے کی ضروریات بطور احسن پوری کرنے کی صلاحیت سے بھرپور مذہب تشیع نے تمام دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی ہے تو اس کی وجہ صرف عظیم فقہاء جیسے امام خمینی، علامہ طباطبائی، شہید مطہری،

شہید صدر اور سینکڑوں دیگر فقہاء ہیں جن کی تربیت ایسے مدارس میں ہوئی جن کے چلانے والے سلاطین اور ظالم حکمران نہیں بلکہ عام انسان تھے۔

ایسے وہابی علماء لوگوں سے ٹیکس کی وصولی کے مسئلے کا جواب کیسے دیں گے جو اپنے ہر حکمران کو چاہے وہ ظالم اور ستم گر ہی کیوں نہ ہو، اپنا ولی امر قرار دیتے اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ لوگ ان ظالم حکمرانوں سے پیسے وصول کرتے ہیں اور برے کاموں کی انجام دہی اور معاشرے میں ان کی ترویج اور لوگوں پر ہونے والے ظلم و ستم کے باوجود ان کے خلاف کچھ نہیں کہتے ! !

کمائی پر خمس کے اطلاق کا انکار کرنے والوں سے چند سوالات کے بعد اور یہ دیکھنے کے بعد کہ یہ لوگ زکات کے معاملے میں خود ہی کمائی پر خمس کے اطلاق پر کئے جانے والے اعتراضات کی زد میں آجاتے ہیں، مزید یہ کہ ان لوگوں کی طرف سے اپنے دفاع کے لئے پیش کئے جانے والے جوابات دوبارہ انہیں کی طرف پلٹا دیئے جاسکتے ہیں، ہم یہاں پر خمس سے متعلق چند واضح جوابات پیش کریں گے جن سے ظاہر ہوگا کہ خمس پر کئے جانے والے چارگانہ اعتراضات میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، بلکہ ہر اعتراض کے بارے میں مناسب جوابات پیش کئے جاچکے
ہیں، جن میں سے بعض ایک کا بیان یہاں کیا جائے گا۔

قرآن اور سنت کی روشنی میں خمس کا بیان :

اسلام میں انفاق (راہ خدا میں خرچ کرنا) کی دو صورتیں ہیں: مستحب اور واجب۔ مستحب انفاق کی کوئی حد معین نہیں بلکہ اس کا تعلق انسان کی استطاعت سے ہے۔ حتی کہ اگر انسان کھجور کا ایک دانہ بھی راہ خدا میں دے تو اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس بارے میں آیات اور روایات کی ایک کثیر تعداد موجود ہے لیکن واجب انفاق جسے قرآن میں خمس

اور زکات کا نام دیا گیا ہے، کی اپنی کچھ خاص شرائط ہیں، ہر چند قرآن نے ان شرائط کے بیان کے بغیر ہی کلی طور پر زکات دینے کا حکم جاری کیا ہے لیکن روایات میں خمس اور زکات سے متعلق شرائط و ضوابط کے بارے میں تفصیلی بیانات ملتے ہیں۔

بحث کے آغاز سے پہلے یہاں ہم خمس اور زکات کا تعارف پیش کرتے ہیں:

زکات اور خمس اس مالی حقوق سے عبارت ہے جس کی ادائیگی کو خدا نے بعض چیزوں پر واجب قرار دیا ہے تاکہ اس کا مالک یہ طے شدہ مال یا رقم ادا کرے۔

خمس اور زکات کے مصارف میں فرق ہے کیونکہ زکات اور صدقہ وصول کرنا بنی ہاشم (سادات) پر حرام ہے اور چونکہ خدا نے ان پر زکات کو حرام قرار دیا اس لئے اس کی جگہ ان کے لئے خمس کو حلال قرار دے دیا گیا۔ اسی لئے روایات میں فلسفۂ خمس کا بیان "بنی ہاشم (سادات) پر صدقے کا حرام ہونا" کے عنوان کے تحت ہوا ہے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "اس خدا نے جس کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں، جب ہم پر زکات کو حرام قرار دیا تو خمس کا حکم نازل فرمایا تاکہ (ہم پر) صدقے کے حرام ہونے کے مقابلے میں خمس کو حلال قرار دیا جائے۔[1]

قرآن کریم خمس کے بارے میں فرماتا ہے:

(وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ)[2]

ترجمہ: اور یہ جان لو کہ تمہیں جس چیز سے بھی فائدہ حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، رسول کے قرابتدار، ایتام، مساکین اور مسافران غربت زدہ کے لئے ہے۔

اس آیت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ: مال غنیمت کی صورت میں جو بھی چیز

۱۔ وسایل الشیعہ، کتاب الخمس، ج ۶، ص ۳۳۷۔

۲۔ سورہ انفال، آیت نمبر ۴۱۔

تمہارے ہاتھ آئے، اس میں سے پانچویں حصے کو خدا اور رسولؐ اور ان کے قریبی لوگوں کے لئے مخصوص قرار دینا۔

یہاں موضوع بحث یہ نکتہ ہے کہ آیا مال غنیمت سے مراد صرف وہ مال ہے جو میدان جنگ سے ہاتھ آتا ہے یا اس کا مطلب ہر وہ چیز ہے جو انسان کسی بھی ذریعے سے حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن میں کلی طور پر احکام، عقائد اور اخلاق کا بیان آیا ہے اور اس کتاب (قرآن) میں جزئیات کا ذکر نہیں کیا گیا جس کی سب سے عمدہ مثال نماز اور حج کا بیان ہے جس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ نماز کتنی رکعتوں کی ہو اور حج کے فرائض کس طرح انجام دیے جائیں۔ اس لئے قرآن کو سمجھنے کے لئے صرف قرآن ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لئے حضورؐ کی موجودگی بھی لازمی ہے تاکہ وہ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے احکام اور عقائد سے متعلق جزئیات اپنے رفتار اور گفتار کے ذریعے اپنی امت کو سمجھا سکیں جسے سنت کا نام دیا جاتا ہے۔

اسی لئے خمس اور زکات والی آیات میں ان اموال کا ذکر نہیں ہوا جن پر خمس یا زکات کا اطلاق واجب ہوتا ہے، نہ شرائط یا خصوصیات کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ پس یہ درست نہیں کہ ہم ہر جزئی مسئلے کے لئے قرآن سے رجوع کریں اور جب قرآن میں اس مسئلے کا حل نہ ڈھونڈ سکیں تو اس مسئلے پر باور کرنا ہی چھوڑ دیں کیونکہ کئی دینی اعتقادات اور احکام ایسے ہیں جن کا تذکرہ قرآن میں وضاحت کے ساتھ نہیں ہوا۔

اس لئے اسلام کے صحیح احکام اور عقائد کو سمجھنے کے لئے صحیح اور اطمینان بخش سنت نبویؐ سے رجوع کرنا لازمی ہے۔

خمس سے مربوط آیت میں تین چیزوں کی وضاحت پیش کی گئی ہے:

۱۔ اموال غنیمت پر خمس کا اطلاق۔

۲۔ حاصل شدہ مال غنیمت میں سے پانچویں حصے کا خمس کے لئے مخصوص ہونا۔

۳۔ وہ لوگ جن پر خمس کی ادائیگی فرض ہے۔

لیکن آیت میں بیان ہونے والا مبہم مطلب لفظ "غنیمت" کا ہے کیونکہ اس آیت پر ممکنہ بحثوں میں سے ایک یہ ہے کہ یہاں غنیمت سے مراد کون سا مال ہے؟ کیا اس کا مطلب صرف جنگ کے نتیجے میں حاصل ہونے والا مال ہے یا وہ تمام اموال جنہیں لغت اور عام لفظوں میں غنیمت کہا جاتا ہے، اس لفظ کے زمرے میں آتے ہیں؟

اس سوال کے جواب کے لئے سنت سے رجوع ضروری ہے اور سنت سے رجوع کے بعد واضح ہوتا ہے کہ خمس کا اطلاق صرف جنگی غنائم پر نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد تمام اموال ہے۔ لیکن اس کے دائرے کا تعلق اسلامی مذاہب کے مابین پائے جانے والے اختلافات سے ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان تمام اموال پر جنہیں عام لفظوں یا لغوی معنوں میں غنیمت کہا جاتا ہے، خمس واجب ہے۔ یہ نظریہ رکھنے والے شیعہ ہیں۔ جبکہ بعض لوگ خمس کے اطلاق کو صرف جنگی غنائم اور رکاز (یعنی دفینوں) پر صحیح مانتے ہیں اور یہ اہل سنت کا نظریہ ہے۔[1]

۱۔ ابوہریرہ سے نقل شدہ روایت: "وفی الرکاز الخمس" کو بنیاد بنا کر اہل سنت دفینوں پر خمس کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اہل سنت بھی غنائم کو صرف جنگی غنائم تک محدود نہیں رکھتے اگرچہ اس کے دائرہ کار کو محدود ہی رکھتے ہیں۔ لیکن اہل تشیع مختلف کاروبار سے حاصل ہونے والے فائدے اور دیگر سرمایے (جو ایک سال تک بغیر استعمال کے مالک کے پاس رہے ہوں) پر زکات کی جگہ خمس کی ادائیگی کو واجب خیال کرتے ہیں۔ اہل سنت ایسے اموال پر زکات کی ادائیگی کو واجب قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا اہل سنت کے پاس اہل تشیع پر اعتراض کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں کہ وہ کہیں کہ تم لوگوں نے کس دلیل کی بنا پر خمس کو واجب قرار دیا، کیونکہ ان کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسی دلیل کی بنا پر جس کی بنا پر تم نے زکات کو واجب قرار دیا۔ شیعوں کے پاس خمس کے واجب ہونے سے متعلق دلیل ہے۔ تم لوگوں کے پاس کیا دلیل ہے کہ رسول اللہؐ نے تجارتی سرمایے پر زکات کا حکم صادر فرمایا ہے؟ کیا یہ تمہارے علماء کے اجتہاد کے علاوہ کچھ اور ہے؟ شیعوں کا جواب بھی یہی ہے۔ ظاہر ہے کہ خمس کے بارے میں اہل تشیع کے دلایل زکات کے بارے میں تمہارے دلائل سے کافی مضبوط ہیں۔ کیونکہ تجارتی سرمایہ پر زکات کا واجب ہونا ان روایات کے برعکس ہے جنہیں تم بھی مانتے ہو۔ دوسری طرف آیات کبھی جزئیات کو بیان نہیں کرتیں بلکہ ان میں صرف احکام کا ذکر ہوا ہے۔ اس لئے تم آیات کے عمومی معنوں پر تکیہ کرکے تجارتی اموال پر زکات کے اطلاق کو ثابت نہیں کر سکتے۔

چونکہ ان جیسے فقہی مباحث کا تعلق مذہبی علماء کے اجتہاد سے ہے، اس لئے چاہیے کہ مذہب کے نقطہ نظر کی وضاحت سے پہلے ان مذاہب سے تعلق رکھنے والے دینی علماء کے نقطہ ہائے نظر کی وضاحت کی جائے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ قرآن میں لفظ "غنیمت" کے معنی واضح طور پر بیان نہیں کئے گئے، ضروری ہے کہ ہم اس لفظ کے لغوی اور عمومی معنوں کو دیکھنے کے بعد روایات کی طرف رجوع کریں تاکہ اس مسئلے کی جزئیات واضح ہو جائیں۔

لغت میں: معتبر لغت ناموں سے رجوع کرنے سے لفظ "غنیمت" کا مطلب کھُل کر سامنے آتا ہے کیونکہ ماہرین لغت کے مطابق لفظ "غنیمت" کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو انسان کسی نہ کسی طرح حاصل کرلیتا ہے، بغیر یہ دیکھے کہ یہ چیز خزانے، معدن، جنگی غنائم یا دوسرے راستوں سے حاصل کی گئی ہے۔

راغب اصفہانی لکھتے ہیں: غَنَم اور غُنم: کسی چیز تک پہنچنے اور اس پر دسترس حاصل کرنے کے معنوں میں ہے، وہ ہر چیز جس پر انسان دسترس پیدا کرے چاہے جنگ کے ذریعے ہو یا کسی اور وسیلے سے۔

(وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)، (فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ)، (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا)۔"[1]

۱۔ مفردات راغب، مادہ غنم، "انفال: ۱۴اور ۶۹، نساء: ۹۴)

ابن منظور کہتے ہیں: غُنم: کسی چیز پر بغیر محنت اور سختی کے دسترس پیدا کرنا۔

ابن فارس: "غنم اصل صحیح واحد یدل علی افادۃ شی لم یملک من قبل ثم یختص بما اخذ من المشرکین"[۱]

ابن فارس نے اس لفظ کے معنی کسی ایسی چیز پر دسترس حاصل کرنے کے بیان کئے ہیں جس کا پہلے کوئی مالک نہ ہو پھر وہ کسی ایسی چیز سے مخصوص ہو گئی ہو جو بعد میں مشرکین سے حاصل کر لی گئی ہو۔

خلیل جن کا تعلق اہل سنت کے بزرگ لوگوں سے ہے، کہتے ہیں: ہر اس چیز کو جسے ایک انسان بغیر محنت کئے حاصل کرے، غنیمت کہتے ہیں۔[۲]

لغت کے ماہرین کی باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ "غنم" یا "غنیمت" کا اطلاق صرف میدان جنگ سے حاصل شدہ چیزوں پر نہیں ہوتا بلکہ یہ لفظ اس سے وسیع تر معنوں میں استعمال ہوتا ہے اگرچہ نزول کے وقت غنایم جنگی کے لئے اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے۔

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ہر اس چیز کو جسے انسان حاصل کرلے اور پھر اس سے فائدہ اٹھائے، غنیمت کہتے ہیں۔

قرآن میں لفظ "مغنم" کا استعمال بھی ہر اس چیز کے لئے ہوا ہے جس پر انسان بغیر کسی جنگ میں شرکت کئے دسترس حاصل کرلے۔

فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ[۳]

والی آیت میں چونکہ لفظ "کثیر مغانم" کا استعمال دنیاوی دولت کے مقابلے میں ہوا

۱۔ مقاییس اللغۃ، مادہ غنم۔
۲۔ کتاب العین، لفظ غنم
۳۔ نساء، آیت نمبر ۹۴

ہے، اس لئے ظاہر سی بات ہے کہ یہاں اس کا مطلب آخرت کا پھل ہے۔ اس آیت کا دائرہ کار بہت وسیع ہے جس میں نہ صرف انسان کی دنیا یا میدان جنگ میں کمائی ہوئی مال و دولت آتی ہے بلکہ اس میں آخرت سے متعلق ہر وہ چیز بھی شامل ہو جاتی ہے جو انسان کسی نہ کسی طرح کماتا ہے۔

حضورؐ نے روایات میں مغنم، غنیمت اور غنم کے الفاظ کی تعبیر فرماتے ہوئے انہیں جنت، ماہ مبارک رمضان کی برکتوں اور آثار وغیرہ کے ہم معنی قرار دیئے ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی نہایہ میں لکھا ہے: سرما کے موسم میں روزے ایک ٹھنڈی "غنیمت" ہے اور اس کا شمار اس کے حاصل ہونے والے نتیجے کی خاطر "غنیمت" میں کیا گیا ہے۔[۱]

قرطبیؒ نے، جو اہل سنت کے مفسرین میں سے ہیں (وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ) والی آیت سے عمومی فائدے کی بات کرنے کے بعد کہا ہے: اجماع کی وجہ سے یہ لفظ "غنائم جنگی" سے مخصوص ہو گیا۔

اہل بیت علیہ السلام کی طرف سے بیان کی جانے والی روایات میں ہر اس آمدنی پر جس کا استعمال سال بھر نہیں ہوا، خمس کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نازل ہونے والی آیت کے پیش نظر انہیں 'غنیمت' سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ مفسرین کا بیان ہے: یہ آیت جنگ بدر کے دن مسلمانوں اور کافروں کے لشکروں کے آمنے سامنے ہونے کے وقت نازل ہوئی۔ لیکن پھر بھی یہ ایک ثابت شدہ بات ہے کہ کسی چیز کے بارے میں نازل ہونے والی آیت کو صرف اسی چیز پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں بھی لفظ "غنیمت" عمومی معنوں میں استعمال ہوا ہے جن میں سے ایک معنی "غنائم جنگی" کے ہیں۔ پہلے مرحلے میں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خمس کا اطلاق غنائم جنگی اور خزانے اور دفینے وغیرہ پر واجب

۱۔ لفظ: غنم، ج ۳، ص ۳۹، "الصوم فی الشتاء الغنیمة الباردة" انما سماه غنیمة لما فیه من الاجر والثواب

قرار دیا گیا ہے، تو دوسرے مرحلے میں خود بخود اس آیت کے مفہوم کا اطلاق انسان کو حاصل ہونے والے ہر فائدے اور غنیمت پر کرنا ممکن ہوجاتا ہے۔ اس کی دلیل لفظ "غنیمت" کے لغوی معنوں کے علاوہ اہل بیت علیہ السلام سے منسوب کثیر روایات کی موجودگی ہے۔ یہاں ہم ایک روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

سماعہ کہتے ہیں:

میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے خمس کے بارے سوال کیا، امام علیہ السلام نے فرمایا:

جو کچھ بھی لوگ کماتے ہیں اس پر کم یا زیادہ خمس واجب ہے۔[1]

امام ہادی علیہ السلام بھی اپنے دوستوں میں سے ایک کے جواب میں فرماتے ہیں: خمس واجب ہے۔ میں نے کہا:

کن چیزوں پر؟ فرمایا: ان کے اموال اور (دوسرے) وسائل (وسائل زندگی) پر۔

میں نے کہا: تجارت کے سامان یا دستکاری کے بارے میں کیا خیال ہے؟ امامؑ نے فرمایا:

اگر ممکن ہو تو (ان پر بھی) تمام ضروری امور کے بعد (خمس) ادا کریں۔[2]

یہاں ہم اہل سنت کی روایات کا ذکر بھی کریں گے جن سے ظاہر ہوگا کہ خمس کی ادائیگی صرف جنگی غنائم سے مخصوص نہیں۔

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: رکاز (دفینے) پر خمس (واجب) ہے[3]۔

۱۔ وسایل الشیعہ، ج ۶، باب ۸، خمس کے ابواب میں سے

۲۔ ایضاً

۳۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۳۱۴

ایک شخص نے (خمس کے بارے میں) حضورؐ سے کئی سوالات پوچھے جن میں سے ایک سوال یہ تھا: ہمیں ویرانوں میں خزانے ملتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان پر خمس (واجب) ہے۔[1]

عبد قیس نامی علاقے سے ایک گروہ حضورؐ سے ملنے آیا اور کہا:

ہمارے اور آپ لوگوں کے درمیان مشرکین ہیں اور حرام (حرمت والے) مہینوں کے علاوہ باقی اوقات میں آپؐ تک ہماری رسائی ممکن نہیں۔ ہمیں ایک جامع نصیحت کیجئے جس پر عمل کرکے ہم جنت میں داخل ہو سکیں اور دوسروں کو ان **(پر عمل کرنے)** کی طرف بلائیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا:

میں تم لوگوں کو چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں۔ میں تمہیں خدا پر ایمان، کیا تم جانتے ہو کہ ایمان کیا ہے؟ (ایمان کا مطلب ہے) خدا کی یکتائی کی شہادت دینا، (خدا پر ایمان کے حکم کے بعد) نماز ادا کرنے، زکات دینے اور غنائم پر خمس ادا کرنے کا حکم دیتا ہوں۔[2]

ظاہر ہے کہ رسول اللہؐ نے عبد قبیس کے لوگوں سے جنگی غنائم سے خمس کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں فرمایا کیونکہ وہ لوگ حرام مہینوں کے علاوہ باقی مہینوں میں مشرکین کے ڈر سے اپنے قبیلے سے باہر نکل ہی نہیں سکتے تھے۔ مزید یہ کہ عبد قبیس نے کوئی جنگ نہیں لڑی نہ کوئی جہاد کیا جس کی طرف اشارہ کرکے حضورؐ نے جنگی غنائم سے خمس دینے کی بات کی ہو۔

پس ثابت ہوا کہ اس روایت کا جنگی غنائم سے کوئی لینا دینا نہیں بلکہ حضورؐ نے روزہ، نماز اور زکات کے پہلو میں اموال سے خمس کی ادائیگی کا ذکر بھی فرمادیا ہے۔

۱۔ ایضاً، ج ۲، ص ۱۸۶۔

۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، باب وجوب الزکاۃ، ص ۱۰۹

پیغمبرؐ کے زمانے میں خمس کا بیان:

یہاں ایک اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر خمس پورے سال تک رہنے والے اموال پر واجب ہے تو پھر پیغمبرؐ کے اپنے زمانے میں اس کا تصور کیوں نہیں پایا جاتا اور پیغمبرؐ نے خود اپنے زمانے میں کیوں خمس جمع کرنے کا حکم صادر نہیں فرمایا؟

جواب نہایت آسان اور واضح ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلامی احکام کا بیان بتدریج ہوا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک ہی سال کے اندر اندر تمام احکامات بیان ہوئے ہوں۔ کچھ ایسے احکامات ہے جن کا بیان تو رسول اللہؐ کے اپنے زمانے میں ہوا لیکن اس کا پھیلاؤ صرف اسی دور تک محدود نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے آیہ خمس میں ہر غنیمت پر خمس کے اطلاق کا ذکر ہوا ہے لیکن رسول اللہؐ نے چند مصلحتوں کے پیش نظر اپنے زمانے میں لوگوں کے مال اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا حکم صادر نہیں فرمایا۔ اس کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ احکامات الٰہی میں سے چند ایک امام عصر علیہ السلام کے زمانے میں ظہور کریں گے۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ خمس اور زکات کے استعمال میں فرق ہے۔ زکات فقراء کی ملکیت ہے یا پھر اس کے استعمال کی دوسری شرط یہ ہے کہ اسے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کرنا چاہیے اس لئے رسول اللہؐ کی ذمہ داری تھی کہ وہ زکات جمع کرنے کا حکم صادر فرمائیں۔

لہٰذا قرآن میں آیا ہے: (خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً) اس لئے حضورؐ نے چند افراد کو زکات جمع کرنے پر مامور کر دیا۔ لیکن خمس کا تعلق خود حضورؐ اور آپؐ کے قریبی لوگوں سے ہے اور یہ آپؐ کی ذاتی ملکیت ہے۔ اس کا تعلق زکات کی طرح مسلمانوں کے عمومی مسائل سے نہیں۔ اس لئے حضورؐ نے خمس جمع کرنے کا حکم جاری نہیں فرمایا بلکہ صرف اس کی تبلیغ فرماتے رہے۔ چونکہ حضورؐ کے مقام و مرتبے کا تقاضا بھی یہی تھا۔ پس اگر

رسول اللہؐ نے لوگوں کے کسی گروہ کو خمس جمع کرنے کے کام پر مامور نہیں کیا، تو اس کا مطلب نہیں کہ خمس واجب ہی نہیں تھا۔

تیسری بات یہ کہ ایسی چیزیں موجود تھیں کہ جن پر خمس واجب ٹھہرتا ہے لیکن حضورؐ نے کسی کو خمس جمع کرنے کے لئے نہیں بھیجا، جیسے: وہ دفینے اور خزانے جو مسلمانوں کے توسط سے ہاتھ آتے تھے۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ جیسا کہ شیعہ اور اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ زکات بنی ہاشم (سادات) پر حرام قرار دی گئی ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ خدا نے بنی ہاشم کے لئے زکات کے مقابلے میں خمس کو حلال قرار دیا۔ پس اگر ہم خمس کو صرف جنگی غنائم سے ادائیگی تک محدود رکھیں گے تو خود ہی مشکلات سے دوچار ہو جائیں گے کیونکہ ہر عہد میں کفار کے تسلط اور اسلام کے پھیلاؤ کے لئے جنگوں کا لڑا جانا ممکن نہیں۔ تو پھر ایسی صورت میں بنی ہاشم کے فقراء کس طرح اپنی زندگی گزاریں گے۔ اس بناء پر خمس کے فلسفے کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ خمس کا اطلاق جنگی غنائم کے علاوہ دوسرے اموال پر بھی ہونا چاہیے۔

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ فضل بن عباس اور بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والے ایک اور شخص کو شادی کی ضرورت درپیش تھی، لیکن ان کے پاس کوئی چیز موجود نہیں تھی جسے وہ حق مہر قرار دے سکیں۔ وہ رسول اللہؐ کے پاس آئے اور اپنی حالت بیان کر دی۔ پھر حضورؐ سے درخواست کی کہ ہمیں زکات جمع کرنے کے لئے روانہ کریں تاکہ ہم اپنے حصے کو حق مہر کے طور پر استعمال کر سکیں۔ حضورؐ نے انہیں اس کام کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا کہ حق مہر کے لئے زکات کی بجائے خمس سے حاصل شدہ مال کا استعمال کریں۔[1]

۱۔ مستند العروۃ الوثقی، کتاب الخمس، ص ۱۹۸

اس بناپر کہا جاسکتا ہے کہ اگر حضورؐ نے خمس جمع کرنے کا حکم صادر نہیں فرمایا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ خمس واجب ہی نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضورؐ نے لوگوں کو خمس جمع کرنے کے لئے روانہ کیا ہو لیکن کسی وجہ سے ان کی خبریں ہم تک نہ پہنچی ہوں۔ خاص طور پر اموی اور عباسی حکومت کے زمانے میں جنہوں نے اسلامی حکومت کو جہالت کی حکومت میں تبدیل کیا اور جن کی وجہ سے لوگ اکثر اسلامی احکامات بھول بیٹھے۔ جیسا کہ کچھ روایات میں آیا ہے کہ ابن حزم نے ابن عباس سے پوچھا: میں نے بصرہ میں ایک خطاب کیا اور زکات اور فطر کے بارے میں باتیں کیں لیکن لوگوں کو ان کے احکام کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔

پس جب وہ لوگ زکات اور فطر کے احکام سے بھی ناواقف تھے جنہیں وہ ہر سال بجا لاتے تھے تو ان سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ خمس، وہ بھی کمائی پر خمس کے اطلاق سے واقف ہوں گے۔ تاریخ میں اس کی وجہ وہ نادیدہ ہاتھ تھے جنہوں نے مختلف حربوں کے استعمال سے ہمیشہ کوشش کی کہ رسول اللہؐ اور ان کے قریبی لوگوں کے حق یعنی خمس کے مسئلے سے تمام لوگوں کو ناآشنا ہی رکھیں۔ جس طرح وہ خمس کے فضائل بیان کرنے سے لوگوں کو روکا کرتے تھے، بالکل اسی طرح خمس کی ادائیگی سے جو زکات کے مقابلے میں واجب قرار دیا گیا تھا، ممانعت کرتے پھرتے تھے۔

اس بارے میں کافی روایات موجود ہیں جن کے بیان کے نتیجے میں بحث کے طولانی ہونے کے خطرے کے پیش نظر ہم ان کا ذکر نہیں کر رہے۔

خمس اور اس کی حلیت (حلال ہونا):

مذکورہ بالا باتوں کی روشنی میں ایک اور سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ اگر کمائی

پر خمس کا اطلاق واجب تھا تو پھر ائمہ علیہ السلام نے اس اپنے پیروکاروں پر حلال کیوں قرار دیا اور انہوں نے کس لئے اپنے پیروکاروں پر خمس کی ادائیگی معاف کر دی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ روایات پر تنقید و تجزیے سے یہ بات کھُل کر سامنے نہیں آتی کہ خمس ادا نہیں کرنا چاہیے اور یہ تم پر واجب نہیں، بلکہ اس تجزیہ و تنقید سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان روایات کا موضوع یہ ہے کہ خمس دو حصوں پر مشتمل ہے: ایک حصہ امامؑ کے لئے مختص ہے اور دوسرے حصے پر سادات اور پیغمبرؐ کے اقارب کو حق حاصل ہے۔

اہل بیتؑ نے اپنے پیروکاروں کی مشکلات اور سختیوں کے پیش نظر ان پر اپنا حصہ مباح اور حلال قرار دیا، تاکہ ان کے پیروکار (امامؑ کا حصہ نہ دینے کے) گناہ سے محفوظ رہ سکیں۔ لہٰذا امام جوادؑ اپنے ایک خط میں یوں بیان فرماتے ہیں:

(من اعوزہ شی من حقی فھو فی حل)[1] (جو کوئی بھی فقر اور تنگدستی میں گھر جائے، اس پر حلال ہے کہ میرے حق سے اپنی مشکلات دور کرے) یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی بھی مشکلات کا شکار ہو جائے، اس کو امامؑ کے حصے سے کچھ دیا جاتا ہے۔

خمس کے حلال ہونے کو بیان کرنے والی چند روایات زیادہ مستند نہیں جبکہ بعض دیگر روایات میں عمومی اموال جیسے انفال اور فے (جو امام علیہ السلام کے اختیار میں ہے) سے استفادے کی طرف اشارات ملتے ہیں۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ امامت کا مقام اتنا ارفع اور اعلی ہے کہ خداوند نے ائمہ علیہ السلام کو بعض امور کی اجازت دے رکھی ہے۔

۱۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۲۳۔

مثال کے طور پر جنگ، صلح اور جنگی غنائم کے بارے میں آیا ہے کہ اگر جنگ میں امام کی اجازت شامل نہ ہو تو تمام جنگی غنائم امام (ع) سے متعلق ہونگی۔ اگر جنگ امام (ع) کی اجازت سے شروع کی گئی ہو تو پھر جنگی غنائم سے امام (ع) کو اس کا حصہ بصورت خمس دیا جائے گا۔ دونوں صورتوں میں امام (ع) کو اس حاصل شدہ مال کو اپنی مصلحت اور دانست کے پیش نظر کسی بھی انداز سے خرچ کرنے کا پورا اختیار حاصل ہے۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ جب وہ دیکھے کہ اس کے پیروکاروں کو اس مال کی ضرورت ہے تو اپنی مرضی سے وہ مال اپنے پیروکاروں کو بخش دے اور ان سے اس کا تقاضا نہ کرے چونکہ پیغمبرؐ بھی یہی کیا کرتے تھے جس کی طرف ہم پہلے ہی اشارہ کر چکے ہیں۔ یہ ہے خمس کے حلال ہونے کے معنی اور انفال اور عمومی سرمایے کا مطلب جن پر صرف ائمہ علیہ السلام کو اختیار حاصل رہا ہے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ چونکہ حکومتیں ہمیشہ ائمہؑ کی مخالفت پر کمربستہ رہیں، ائمہؑ کبھی برسر اقتدار نہیں آئے، انہیں کبھی بھی لوگوں کے سرمایے پر تسلط حاصل نہیں رہا اور وہ ہمیشہ دشمن کے محاصرے میں گھرے رہے، اس لئے انہوں نے اپنے پیروکاروں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ ان میں (اپنے حصے میں) تصرف کریں۔

کچھ احادیث جیسے عمر بن یزید کی حدیث میں بیان ہوا ہے کہ مسمع بن عبدالملک کہتے ہیں:

میں نے امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا: میں نے دریائوں میں تیرتے ہوئے چار لاکھ درہم کمائے ہیں، اس کا پانچواں حصہ جو اسی ہزار درہم کے برابر ہے، آپؑ کی خدمت میں لایا ہوں اور یہ آپؑ کا حق ہے جو خدا نے ہمارے اموال میں سے قرار دیا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: تو کیا زمین اور اس سے نکلنے والی چیزوں میں سے خمس کے علاوہ کسی اور چیز پر ہمارا حق نہیں؟ پوری زمین اور زمین سے باہر آنے والی تمام چیزیں ہمارے لئے ہیں۔

میں نے عرض کیا: میں اپنا تمام مال آپؑ کی خدمت میں پیش کردوں گا۔

امامؑ نے فرمایا:

ہم نے تمہارے مال کو پاک اور حلال کر دیا اور ہر وہ زمین جو ہمارے شیعہ کے قبضے میں ہے، ہمارے قائم (امام زمانؑ کے قیام تک ان کے لئے حلال رہے گی۔

جب وہ آئے گا تو ان (شیعہ) کے پاس موجود ٹیکس اور کرایہ وصول کرلے گا اور ان کی زمینیں انہی کے پاس رہنے دے گا۔ البتہ وہ زمینیں جو غیر شیعہ لوگوں کے پاس ہیں، ان کے لئے ایسی زمینیوں سے استفادہ کرنا حرام ہے یہاں تک کہ ہمارا قائم آکر ان سے وہ زمینیں واپس وصول کرلے گا[1]۔

اس طرح کی احادیث صرف تجارت سے حاصل شدہ فائدے کے بارے میں نہیں۔ ابوسیار بھی یہی خیال کرتے تھے کہ خمس کا اطلاق صرف دریائوں کے ساحل سے حاصل ہونے والی چیزوں پر ہوتا ہے اور امام کا حصہ بھی انہی چیزوں میں سے دیا جانا چاہیے۔ لیکن امامؑ فرماتے ہیں: نہیں، انفال سے متعلق تمام چیزیں ہماری ملکیت ہیں اور ہم نے انہیں حلال قرار دے دیا ہے۔ یہ خمس اس خمس کے علاوہ ہے جس کا اطلاق صرف اس بچت یا مال پر ہوتا ہے جو ایک سال کے اخراجات کے علاوہ ہے اور سال بھر مالک کے پاس رہتا ہے۔

اس حدیث اور دیگر دلائل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انفال خصوصاً بنجر زمینوں پر خمس غیبت کے زمانے میں شیعہ لوگوں پر حلال قرار دے دیا گیا ہے اور ایسے

۱۔ کافی، ج ۱، ص ۴۰۸، باب ان الارض کلھا للامام علیہ السلام، ح ۳۔

لوگوں کے علاوہ باقی لوگ ایسی زمینوں میں تصرف اور انہیں ہڑپ کر جانے کے ذمہ دار ہیں۔

خمس اور زکات کن لوگوں کو ملنا چاہیے؟

زکات اور خمس کے بارے میں ہونے والی بحثوں میں سے ایک اہم بحث اسلام کے مالی امور کے بارے میں ہے۔ اس بحث میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کون ہے جس کو ان مالی امور کا اختیار دیا جائے اور یہ تمام مالی امور اس کی زیر نگرانی انجام دیے جائیں؟ کیا خمس اور زکات کی ادائیگی کے لئے کسی ایسے انسان کی واقعی ضرورت ہے یا پھر ہر وہ شخص جس پر خمس کی ادائیگی واجب ہے خود ہی خمس کی رقم اس کے مستحقین تک پہنچا سکتا ہے؟

قرآن کریم نے اس بارے میں زکات کے صارفین کے عنوان سے آٹھ گروہوں کا ذکر کیا ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ[1]

ترجمہ: صدقات و خیرات بس فقراء، مساکین اور ان کے کام کرنے والے اور جن کی تالیف قلب کی جاتی ہے اور غلاموں کی آزادی میں اور قرضداروں کے لئے اور راہِ خدا میں اور غربت زدہ مسافروں کے لئے ہیں۔

۱۔ توبہ: ۶۰۔

خمس کے مصرف کے بارے میں :

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ[1]

یہاں پر قرآن نے خمس کا مصرف خدا، رسول خداؐ، قرابتداروں، اہل بیت، یتامی، مساکین، مسافران غربت زدہ کے لئے بیان کیا ہے۔

اس رو سے خمس چھ حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے: تین حصے یعنی خدا، رسول اور قرابتداروں کے حصے رسول اللہؐ کے اختیار میں ہیں۔ شیعی اور اہل سنت کی روایات کے مطابق قرابتداروں سے مراد امام علیؑ، بی بی فاطمہؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ ہیں۔ حضورؐ کی حیات طیبہ کے دوران زکات کے تین حصے آپؐ کے لئے مختص تھے کیونکہ آپؐ نبوت، امامت اور ولایت کے درجے پر فائز تھے۔ اس مدت میں آپؐ کے علاوہ کوئی امام نہیں تھا کہ خدا کا حصہ اس کے سپرد کر دیا جاتا، کیونکہ روایات کے مطابق خدا کا حصہ اس کے ولی کے لئے ہے۔[2] اس بنا پر پیغمبرؐ کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہیں ان تین حصوں میں تصرف کریں۔

بعض دیگر روایات میں آیا ہے کہ امام رضاؑ نے فرمایا: خمس میں سے جو حصہ خدا کے لئے مخصوص ہے، وہ رسول اللہؐ کے لئے ہے اور جو رسول اللہؐ کے لئے ہے وہ امام کے لئے ہے۔[3]

۱۔ انفال: ۴۱

۲۔ امام صادقؑ نے فرمایا: ان اللہ لم یسال خلقہ مما فی ایدیہم قرضا من حاجۃ بہ الی ذلک، وکان اللہ من حق فانما ھو لولیہ" اگر خدا نے اپنی ہی مخلوق کے ہاتھوں کی چیز ادھار کے طور پر مانگی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس چیز کا محتاج ہے، اور خدا کے تمام حقوق اس کے ولی کے لئے ہیں۔" اصول کافی، ج ۱، ص ۵۳۷، باب صلۃ الامام علیہ السلام، ح ۳۔

۳۔ وسایل الشیعہ، ابواب خمسۃ الخمس، ح ۶۔

تمام روایات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا آسان ہے کہ خمس میں سے تین حصے رسول اللہؐ کے اختیار میں ہیں اور باقی تین حصوں پر بنی ہاشم کے یتامی، مساکین اور مسافران غربت زدہ کا حق ہے۔ ان تین حصوں کا تعلق تاریخ میں ہمیشہ انہی تین گروہوں سے رہا ہے لیکن پیغمبرؐ کا حصہ آپؐ کی رحلت کے بعد مسلمانوں کے اندر آپؐ ہی کے منتخب کردہ ولی امر اور امام کے اختیار میں آجاتا ہے۔

شیعی نظریے کے مطابق پیغمبرؐ کے جانشین حضرت علی علیہ السلام اور آپؑ کے بیٹے ہیں اور ان بارہ اماموں کے بعد خمس کی رقم اور خمس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی چیزیں ان لوگوں کے دائرہ اختیار میں آجاتی ہیں جن کا تعارف خود ائمہ کی طرف سے پیش کیا گیا اور جنہیں لوگ امامؑ کی غیبت کے زمانے میں حاکم شرع کے عنوان سے پہنچانتے ہیں۔ یہ حاکم شرع، جامع الشرائط مجتہدین کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ اس بناء پر جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ کو خمس کے تین حصوں پر مکمل اختیار حاصل تھا اور ان تین حصوں کو اپنی مصلحت کے تحت جہاں چاہتے، خرچ کر دیتے، بالکل اسی طرح رسول اللہؐ کے جانشین اور ان کے بعد علماء اور مجتہدین بھی خمس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی چیزوں کو مسلمانوں کی بھلائی کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

ہم یہاں ان دلائل کا مختصراً بیان پیش کریں گے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلام میں ٹیکس مجتہدین کے زیر نظر جمع اور خرچ کیا جاتا ہے۔

۱۔ عقلی دلیل: بے شک اسلام سب سے مکمل دین ہے جس کی ترسیل کا مقصد لوگوں کی رہنمائی اور ہدایت کرنا ہے اور یقیناً یہ عمل ایک صحیح امامت اور رہنمائی کے سائے میں ہی انجام پاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نبوت یعنی وحی وغیرہ کے علاوہ رسول اللہؐ کے دیگر تمام وظائف آپؐ کی رحلت کے بعد امامؑ کے سپرد ہونا لازمی ہے تاکہ امامؑ معاشرے کو ترقی کے راستے پر گامزن کر سکیں۔ امامؑ کے بعد یعنی غیبت کے وقت مجتہدین اور فقہاء وہ لوگ ہیں

جو اسلام کے اہداف و مقاصد سے مکمل آگاہی رکھتے ہوئے نہ صرف اسلام کو صحیح راستے پر گامزن رکھ سکتے ہیں بلکہ اسے ہر طرح کی بدعت اور انحراف سے بچانے کی صلاحیت سے بھی مالامال ہیں۔

اگر معاشرے کی رہبری اطلاعات کے فقدان کے شکار لوگوں کی سپرد کر دی جائے تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دین کمزور سے کمزورتر ہوتے ہوئے ایک دن نابود ہو جائے گا۔ اس لئے اسلام کے بلند مقاصد کے حصول کے لئے فقہاء کے پاس مالی وسائل کا ہونا اشد ضروری ہے، جیسا کہ ائمہ علیہم السلام اور پیغمبرؐ کی ذات گرامی کو بھی تمام عمر ان وسائل کی ضرورت رہی۔ پس یہ ایک عقلی دلیل ہے جو عقلاء کی طبیعت اور عادت کے مطابق ہے۔

۲۔ پیغمبرؐ اور ائمہؑ سے مربوط روایات سے (جن میں مختلف امور کے لئے جامع الشرائط علماء سے رجوع کرنے کی بات ہوئی ہے) ابھی اسی بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ فقہاء پیغمبرؐ اور ائمہؑ کی ذمہ داریاں انجام دیتے ہیں۔ جیسے:

الف: امام صادقؑ نے فرمایا: (العلماء ورثة الانبیاء)[۱] "علماء اور دانشمند لوگ پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں۔"

ایک اور روایت میں فرماتے ہیں: "علماء امت کے امین ہوتے ہیں"[۲]

ب۔ امام موسی کاظمؑ سے روایت ہے: شہروں کے گرد کھنچے ہوئے حصار کی طرح فقیہہ مومنین بھی اسلام کے گرد کھنچے ہوئے مضبوط حصار کے مانند ہیں۔[۳]

امام صادقؑ نے فرمایا: رسول اللہؐ کا فرمان ہے: "فقہاء (اس وقت تک) رسولان الٰہی

۱۔ کافی، ج ۱، ص ۳۲، ح ۲

۲۔ ایضاً، ج ۲، ص ۳۳، ح ۵۔

۳۔ ایضاً، ج ۱، ص ۳۸، ح ۳

کے امانت دار ہیں جب تک دنیوی امور میں قدم نہیں رکھتے۔ رسول خداؐ سے پوچھا گیا: دنیا میں قدم رکھنے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: سلطان کی پیروی، جب علماء سلاطین کی پیروی کرنے لگ جائیں، تو پھر ان سے اپنے دین کے بارے میں ڈرتے رہو۔"[1]

۴۔ امام حسینؑ نے فرمایا: (مجاری الامور والاحکام علی ایدی العلماء باللہ الامناء علی حلالہ وحرامہ)[2] "احکام کا اجراء اور لوگوں کے عام امور کی انجام دہی علمائے الٰہی کے ہاتھوں میں ہے، وہ لوگ جو خدا کے حلال اور حرام کے امین ہیں۔"

اس بارے میں اور بھی کئی روایات ہیں لیکن یہاں ہم مذکورہ چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

ایسی ہی روایات کی موجودگی نے ثابت کر دکھایا ہے کہ فقہاء اسلامی امت کے مختلف عمومی اور سیاسی مسائل جیسے فتوا، اہم فیصلوں، مہینوں کی شروعات اور اختتام کے بارے میں حکم کے صدور، شرعی ٹیکس مثلاً انفاق، خمس اور ایسے شخص کی میراث جس کا کوئی وارث نہ ہو، کی وصولی کے معاملے میں امامت کے مقام پر فائز ہیں۔

عام سی بات ہے کہ پیغمبروں کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری اپنی امت کے اہم تہذیبی، سیاسی، اقتصادی اور فوجی امور کے بارے میں تدبیریں کرنا ہے۔ کیونکہ لوگ امانت الٰہی جبکہ ہر پیغمبر امین الٰہی ہے اور چاہیے کہ امانت کو "امین اللہ" کے سپرد کر دیا جائے۔

پس آج جب ہماری رسائی رسول اللہؐ اور امام مہدیؑ تک ممکن نہیں اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ الٰہی احکامات جیسے خمس وغیرہ کسی خاص زمانے کے پابند نہیں، اس لئے ان کا حصہ ایسے لوگوں کو دینا چاہیے جو پیغمبرؐ اور ائمہؑ کے نزدیک ترین لوگوں میں سے

۱۔ کافی، ج۱، ص ۴۶، ح ۵

۲۔ بحار، ج ۹۷، ص ۸۰، ح ۳۷۔

ہوں۔ جو اپنے علم، ادراک، عقیدہ، زہد وعبادات، بہادری، بصیرت اور تقوی کے لحاظ سے تمام لوگوں سے زیادہ پیغمبرؐ اور امامؑ کے مانند ہوں اور ہر چند کہ وہ معصوم نہ ہوں لیکن کم از کم بہترین عدالت کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

اس لئے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان افراد کے لئے اسلام کے قلعے، اسلام کے امین، انبیاء کے ورثاء، پیغمبروں کے امین، اور احکام و امور کے اجراء کے اختیار رکھنے والے جیسے کلمات سے استفادہ ہوا ہے تو پھر مان لینا چاہیے کہ رسول اللہؐ اور امامؑ کے حصے انہیں پیغمبرؐ کے جانشینوں کے سپرد کر دینے چاہئیں، تاکہ یہ لوگ اس خمس کو دینی تہذیب کی تقویت، اس کی تبلیغ و اشاعت، مسلمانوں کی عزت و آبرو اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کریں۔

امام علی نقیؑ فرماتے ہیں: "اگر یہ متقی فقہاء، لوگوں کے دینی افکار اور عقائد کے نگہدار نہ ہوتے، (تو ان کے خلاف ہونے والی) شیطانی چالیں لوگوں کو راہ خدا سے دور کر دیتیں۔ اور یہ علماء اور فقہاء امامؑ کی غیبت کے وقت کشتی کے ناخدا کے مانند آسیب زدگی کے خطرے میں مبتلاء مسلمانوں کے محافظ ہیں۔ اور یہ لوگ (علماء) خدا کے نزدیک سب سے زیادہ فضیلت و برتری رکھنے والے لوگ ہیں۔[1]"

بیان شدہ نکات کے علاوہ چند اور نکات بھی ایسی ہیں جن سے خمس کی ادائیگی کی ضرورت مزید واضح ہو جاتی ہے:

۱۔ جامع الشرائط فقہاء خمس کے صحیح خرچ کرنے کے بارے میں خدا، سنت پیغمبرؐ اور اہل بیتؑ کے صادر شدہ احکامات اور روش سے نسبتاً بہتر طور پر آگاہ ہیں۔

۲۔ جیسا کہ مرجعیت تقلید کی پہلی شرط عدالت اور ہوس سے دوری ہے، اس لئے لازمی بات ہے کہ ایسے لوگ خمس کے نتیجے میں حاصل ہونے اموال میں اسراف اور

۱۔ بحار، ج ۲، ص ۶۰

فضول خرچیوں سے بچے ہوئے ہیں۔

۳۔ فقہاء معاشرے کی دینی ضروریات سے زیادہ بہتر طور پر آگاہ ہیں۔

۴۔ پیغمبر اسلامؐ اور ائمہؑ کی سیرت کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے زمانوں میں خمس کی جمع آوری متمرکز صورت میں ہوتی تھی۔

رسول اللہؐ نے عمر بن حزم کو حکم دیا کہ وہ لوگوں سے خمس جمع کرے۔

سلمان، ابوذر اور مقداد کو کی جانے والی نصیحتوں میں سے ایک نصیحت یہ تھی کہ خمس اسلامی حکام تک پہنچا دیا جائے۔[1] اور غیبت کے زمانے میں اسلامی حکام وہی جامع الشرائط فقہاء ہیں۔

۵۔ فقہاء کو اسلامی ٹیکس کی ادائیگی ان کی مالی قدرت اور استحکام کی وجہ بنتی ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ علماء کی مالی اور اقتصادی حالت مضبوط ہو گی تو وہ اپنے دینی اہداف تک پہنچ پائیں گے، نہیں تو ان کے لئے دینی تعلیم کا بیان اور اجراء ممکن نہیں رہیں گے۔ دوسری طرف اگر علماء وقت کے حکام اور سلاطین سے مل جانے کے بعد کسی بھی صورت اسلام کے صحیح اہداف تک نہیں پہنچ سکتے۔ تاریخ اس بات کہ گواہ ہے کہ جس دور میں بھی علماء نے حکام کا ساتھ دیا ہے دین اپنے اصلی اہداف تک پہنچنے سے قاصر رہا ہے یا پھر لوگ اس سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اس مسئلے کا مشاہدہ کرنا وہابی علماء کے درمیان نسبتاً زیادہ آسان ہے کیونکہ شیعہ علماء کو قدیم وقتوں اور غیبت کے زمانے کے بعد سے سہم امام (امام کے حصے) پر اکتفاء کرنے کی وجہ سے حکومتوں کے آگے جھکنے کی کبھی ضرورت پیش نہیں آئی۔

اس لئے یہ علماء ہمیشہ دینی مقاصد کی راہ میں ثابت قدم ہی رہے اور ہمیشہ حکام کے ظلم و ستم اور قتل و غارت کے سامنے علم بغاوت بلند کرتے رہے۔ لازمی ہے کہ اگر یہ اپنی مالی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان سلاطین کے آگے سر تسلیم خم کر دیں تو پھر کبھی ان

۱۔ وسائل الشیعہ، ج۹، ص ۵۵۳۔

کے ظلم و ستم کے آگے قیام نہیں کر سکیں گے جو شیعہ مذہب کی اہم خصوصیات میں سے ہے۔ اس لئے انہوں نے دین اور مذہب کی ترقی اور ترویج کے لئے کبھی بھی حکام کا سہارا نہیں لیا، حتی کہ آج کے دور میں بھی جب اسلامی حکومت رائج ہو چکی ہے اور حکومت کی باگ ڈور ولایت فقیہ کے ہاتھوں میں ہے، علماء اور دینی مدارس ویسے ہی مستقل ہیں۔ اگر ہم دیکھتے ہیں کہ آج کے دور میں دین و مذہب ایک عظیم انقلاب کے راستے پر گامزن ہیں اور آج کے نوجوان دین کی طرف اپنے جھکاؤ کے ساتھ ایک عظیم تاریخی تحریک کا سبب بن رہے ہیں تو اس کی وجہ صرف علماء اور مراجع تقلید کی طرف سے کئے جانے والے اقدامات ہیں جو صرف لوگوں کی طرف سے مہیا کئے جانے والے مالی وسائل کی وجہ سے ممکن ہوئے ہیں۔

پس یہاں ہم خمس کے کردار اور اس کے فلسفے سے پوری طرح آشنا ہو گئے کہ خمس جامع الشرائط علماء ہی کو کیوں ملنا چاہیے۔ یہاں ہم چند باتوں کی طرف مختصراً اشارہ کر رہے ہیں۔

فقہاء کے اقدامات کی توسیع

۱۔ دینی مدارس اور گروہوں کا تحفظ :

اگر دینی مدارس نہ ہوتے تو آج دین ومذہب کا کوئی نشان نہ ہوتا۔ ان دینی مدارس نے دس صدیوں سے زیادہ دین کی حفاظت کی ہے یہاں تک کہ آج وہی دین ہمارے اختیار میں دے دیا گیا ہے۔ اگر خمس اور سہم امامؑ کی صورت میں لوگوں کی مالی امداد نہ ہوتی تو دینی مدارس میں امام خمینیؒ ، شہید مطہری، شہید بہشتی وغیرہ جیسے عظیم علماء کی تعلیم و تربیت کا کوئی امکان نہ ہوتا۔ ۔ اگر خمس اور سہم امامؑ کی صورت میں لوگوں کی مالی امداد نہ ہوتی تو آج اتنی ساری احادیث، تفسیر، کلام اور اخلاق کی کتابوں کی اشاعت اور جدید نسل تک ان کی رسائی ممکن نہ ہوتی۔ آج تمام دینی مدارس اور شیعہ علماء کی بقاء لوگوں کی طرف سے موصول ہونے والی شرعی مالی امداد کی مرہون منت ہے۔ اگر یوں نہ ہو تو خدا نخواستہ ہمارے علماء بھی دیگر مذاہب کے علماء کی طرح حکومت وقت کی تنخواہ پر پلنے لگیں گے اور انہی کی خواہشوں کے مطابق احکام اور فتوے جاری کرنے لگیں گے !

۲۔ دین اور آئین اسلام کی تبلیغ :

علماء اور مجتہدین کی اہم کارکردگیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے مکتب اہل بیت علیہ السلام کی تعلیمات دنیا کے کونے کونے تک پہنچائی ہیں۔ اگر ہم دیکھتے ہیں کہ جرمنی میں آیت اللہ بروجردی کے وسیلے سے مسجد کی تعمیر ہوتی ہے یا پوری دنیا میں جگہ جگہ دینی اداروں اور مراکز کا قیام ہوتا ہے تو ایسا صرف لوگوں کی مالی امداد کی وجہ سے امکان پذیر ہے۔

۳۔ محروم اور مجبور لوگوں کی امداد:

چونکہ علماء اپنے علاقوں میں مادی اور معنوی مشکلات کے حل کے لئے لوگوں کی رجوع کے مرکز و محور ہیں۔ اس لئے مالی مشکلات سے دوچار لوگ اپنی اس مشکل کے حل کے لئے بھی علماء سے رجوع کرتے ہیں اور علماء صرف اسی وقت ان کی مالی مشکلات دور کر سکنے پر قادر ہوں گے جب ان کے پاس مالی وسائل ہوں گے۔ ان کے پاس سادات کے فقراء کو دینے کے لئے خمس کا ایک مخصوص حصہ ہوتا ہے جس سے وہ ان لوگوں کی مالی مشکلات دور کرتے ہیں۔

بحث کا خلاصہ:

مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں وہابیوں کی طرف سے کئے جانے والے چہارگانہ اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں:

۱۔ وہ کہتے ہیں کہ روایات میں کوئی دلیل ایسی نہیں جس میں کہا گیا ہو کہ خمس صرف فقہاء کو دیا جانا چاہیے۔ اس اعتراض کا جواب کچھ یوں دیا جاسکتا ہے کہ جب تک پیغمبرؐ اور امامؑ موجود ہیں، اسلامی ٹیکس کا اختیار ان کے پاس ہے۔ البتہ یہ کوئی منطقی عمل نہیں کہ ہم ان کی غیر موجودگی میں ہم اسلامی احکامات کی بجاآوری ترک کر دیں۔ مذکورہ روایات کی بناء پر جن کی رو سے دینی مرجعیت کی ذمہ داری جامع الشرائط علماء پر عائد ہوتی ہے، چاہیے کہ سہم امام صرف امامؑ کے جانشینوں یعنی مراجع تقلید کو ادا کریں تاکہ وہ دین اور مذہب کی ترقی کے لئے ان کو استعمال میں لائیں۔

صاف ظاہر ہے کہ فقہاء ہی وہ لوگ ہیں جو دین اور اسلام کی فلاح و بہبود کے لئے اقدامات کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پس علماء اور مراجع کو سہم امام علیہ السلام کی

ادائیگی ایک ہوشمندانہ اقدام ہے۔ اگر روایات میں صاف طور پر نہیں کہا گیا کہ علماء کو خمس ادا کرو تو یہ اس بات کی دلیل ہر گز نہیں کہ ہم علماء کو خمس کی ادائیگی سے اپنے ہاتھ روک لیں۔ تمام لوگ خود ہی علماء اور مراجع تقلید کی جان توڑ محنت کے گواہ ہیں۔ یہ علماء ساری زندگی دینی احکام کی تفہیم کے لئے کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کے اندر انہی کی طرح سادہ زندگی گزارتے ہیں۔ لوگوں کے جوابات دینے کے لئے اپنے گھر اور دفاتر کے دروازے ہمیشہ کھُلے رکھتے ہیں، حکومتوں کی طرف سے ہونے والے ظلم و ستم کا سامنا بڑی بہادری سے کرتے ہیں، لوگوں کے حقوق کا دفاع کرتے ہیں، لوگوں کے ہمدرد ہیں، مشکلات اور سختیوں میں ان کا ساتھ دیتے اور ان کی حمایت کرتے ہیں۔

یہ تمام خوبیاں خود اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ سہم امامؑ ایسے ہی علماء کو ادا کریں جو اس امداد کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ سہم امام علیہ السلام حکومت یا دوسرے لوگوں کو ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ وہابی علماء کو ایسی باتیں کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے کیونکہ انہوں نے تیل کی فروخت سے حاصل ہونے والے ڈالروں اور وقت کے سلاطین اور حکام کی حمایت سے اسلامی معاشرے کی عزت و آبرو خاک میں ملا کر رکھ دی ہے اور پھر یہ دعوی بھی کرتے ہیں کہ اسی اسلامی معاشرے کا حصہ ہیں اور اسلامی اہداف تک رسائی کے راستے پر گامزن ہیں!!

اس سے ہٹ کر، وہ لوگ جو ہم پر خمس کے بارے میں اعتراضات کرتے ہیں، خود بھی تو زکات کی صورت میں اپنے علماء کو ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ان کے علماء تجارتی سرمایے کی زکات وصول کرتے ہیں۔ آخر کون سی آیت میں آیا ہے کہ تجارتی مال پر زکات کا اطلاق ہوتا ہے؟ یا یہ کہ زکات علماء ہی کو ادا کرنی چاہیے؟ ان کے دینی مدارس اور علماء کے مالی اخراجات کا تعین کہاں سے ہوتا ہے؟ کیا ان کے علماء لوگوں سے زکات وصول نہیں کرتے؟ اگر شیعہ علماء کمائی پر خمس کے اطلاق کے قائل ہیں تو وہابی علماء بھی زکات کے نام

پر تجارتی سرمائے کا دسواں حصہ وصول کرتے ہیں اور اس عمل کی انجام دہی کو اپنے لوگوں پر واجب قرار دیتے ہیں۔ اگر وہ کہیں کہ ان کے علماء نے اپنی اجتہاد کے بل بوتے پر آیات و روایات سے زکات کے متعلق یہ نتیجہ اخذ کیا ہے تو ان کے سوال کے جواب میں ہم بھی یہی کہیں گے کہ شیعہ علماء نے بھی اپنی اجتہاد سے آیات اور روایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تجارتی اموال پر زکات مستحب اور خمس واجب ہے، اس لئے ہمارا سارا جھگڑا صرف ناموں پر ہے۔

جی ہاں! وہابی فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگ جب دیکھتے ہیں کہ اسلامی ممالک میں نوجوانوں کا رجحان مذہب تشیع کی طرف زیادہ ہو رہا ہے، جب وہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ عرب ممالک میں شیعہ علماء کی سربراہی میں لبنان کے حزب اللہ کا تعارف چیمپئن کے طور پر کیا جاتا ہے، اور جب ان کا پورا وجود اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ ایران میں برپا ہونے والے اسلامی انقلاب نے پوری دنیا میں ایک عظیم دینی اور مذہبی تحریک کو جنم دیا ہے، اور یہ دیکھتے ہوئے کہ ان تمام قابل فخر افعال و اعمال کے پیچھے شیعی دینی مدارس کارفرما ہیں جو خمس اور سہم امامؑ سے چلتے ہیں تو وہ مخالفت کا نعرہ لگاتے ہوئے شیعہ علماء کو خمس کی ادائیگی کے خلاف پروپیگنڈے کرتے پھرتے ہیں، اور تیل کی فروخت سے حاصل ہونے والے ڈالروں سے ایسی کتابیں اور کتابچے شائع کرتے ہیں جن کا مقصد مکتب اہل بیت علیہ السلام اور اہل تشیع کی تخریب اور اس کو برے اور غلط انداز سے پیش کرنا ہوتا ہے تاکہ اس کام سے مکتب اہل بیت علیہ السلام کے نفوذ اور ترویج کو روک سکیں۔ اس مقصد کے لئے کبھی وہ اہل تشیع کے قتل کے فتوے جاری کرتے ہیں تو کبھی ان کے مقدس مقامات جیسے بقیع اور سامرا وغیرہ کی تخریب کے فتوے دیتے پھرتے ہیں۔

۲۔ کہا جاتا ہے کہ شیعی روایات میں آیا ہے کہ ائمہؑ نے وصیت فرمائی ہے کہ ان کے پیروکاروں پر خمس کی ادائیگی معاف کر دی گئی ہے اور ان کے لئے خمس کی عدم ادائیگی کو

حلال قرار دیا گیا ہے۔

اس سوال کا جواب یوں فراہم کیا جاسکتا ہے کہ ہر چند ائمہؑ نے چند خاص وقتوں میں اسے اپنے پیروکاروں (شیعہ لوگوں) پر حلال قرار دیا تھا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شیعہ تمام زمانوں میں دوبارہ خمس ادا نہ کریں۔ مذکورہ مسئلے کا امکان اس وقت ہوتا جب ہمارے پاس ہر سال خمس کے بارے میں روایات نہ ہوتیں۔

لیکن پہلے کے بیانات کو آگے بڑھاتی ہوئی بعد میں بیان ہونے والی روایات جن میں خمس کے واجب ہونے کے بارے میں قرآن اور تاریخ میں فقہاء کے اعمال کے پیش نظر بیانات ملتے ہیں، ان روایات پر فوقیت رکھتی ہیں جو ان روایات سے پہلے درج ہوئی ہیں۔ بہر حال وہ روایات جن میں خمس کی ادائیگی سے ممانعت کی گئی ہیں تمام زمانوں کے لئے نہیں بلکہ صرف ایک خاص زمانے کے لئے ہیں۔

۳۔ مختلف آیات اور روایات کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ خدا نے زکات اور صدقات کو اپنے پیغمبرؐ اور آپؐ کے اہل بیتؑ پر حرام قرار دیا اور اس کی جگہ ان کی ضروریات ایک اور وسیلے سے پوری کرنے کا حکم جاری فرمایا یعنی خمس کے وسیلے سے۔ اس بناء پر اگر ہم خمس کی ادائیگی چھوڑ دیتے تو پھر تاریخ میں اہل بیت علیہ السلام اور دوسرے سادات کی ضروریات کہاں سے پوری ہوتیں؟ اگر ہم یہ کہیں کہ خمس کا اطلاق صرف جنگی غنائم پر ہوتا ہے یا پھر یہ کہیں کہ خمس کی عدم ادائیگی حلال ہے تو پھر سادات اور بنی ہاشم کے یتامی، مساکین اور غربت زدہ مسافروں کی مالی مشکلات کیسے دور کی جائیں؟!

خمس کو حلال قرار دینے کو امامؑ کے زمانے (ان کی حیات طیبہ کے زمانے) سے مخصوص کیا جاسکتا ہے کیونکہ خمس کا تعلق ہر دور کے امامؑ سے ہوتا ہے جنہیں پورا پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں پر اس کی عدم ادائیگی کو حلال قرار دیں، لیکن اس حلیت (حلال ہونے) کا اطلاق اگلے امامؑ پر نہیں ہو سکتا۔

مزید یہ کہ خمس کو حلال قرار دینے کا تعلق جنگی غنائم کی صورت میں حاصل ہونے والی ان کنیزوں سے تھا جو آپؐ کے پیروکاروں کے حصے میں آئی تھیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خمس کے حلال ہونے کا تعلق کمائی پر خمس کے اطلاق، وہ بھی تمام زمانوں میں، سے نہیں!

امید ہے محترم قارئین اپنے مطالعات اور تنقید سے اس مطلب میں اضافے کا باعث بنیں گے۔